انڈونیشیا

جہاں مغربی جمہوریت کا مطلب ہے اقلیتی حکومت

پوپ جان پال دوم کے دورے کے دو ماہ بعد تک بھی انڈونیشی منتظر رہے کہ پوپ کی طرف سے اُن کی اس شکایت کا کوئی جواب ملے جو انہیں مغرب کے حمایت یافتہ انڈونیشی کلیساؤں کی سرگرمیوں پر تھی کہ وہ بقول اُن کے غربا اور محتاجوں کو اپنے "گلے" میں داخل کرنے کے لیے نعرہ بازی، رشوت دینے اور دھونس جمانے جیسے "غیر مسیحی" ہتھکنڈوں پر اُتر آئے تھے۔

پوپ کا دورۂ انڈونیشیا (۹ر تا ۱۴ر اکتوبر ۱۹۸۹ء) بہت مصروفیت اور تگ و دو کا تھا۔ انہوں نے ایک خطبہ جکارتا کے بیسنایان اسپورٹس اسٹیڈیم میں دیا۔ پھر شہر جوگجاکارتا سے کوئی دس کلومیٹر دور آدی سُت جیپٹو کے ہوائی اڈے پر، پھر ایک اور قصبہ تن تن کاں میں، جو شمالی سماترا کے دارالحکومت میدان سے کوئی ۲۵ کلومیٹر پرے ایک دور افتادہ گاؤں ہے۔ پوپ صاحب نوسا تنگرا تیمور میں واقع فلورے کیتھولک مرکز بھی گئے۔ اگلے ہی دن وہ مشرقی تیمور گئے جہاں اُنھوں نے چار گھنٹے گزارے۔ ہر شام وہ واپس آکر جکارتا میں ویٹیکن سفارت خانے میں شب بسری کرتے نہ کہ سرکاری مہمان خانے میں۔ اس کے علاوہ صرف فلورے ایسا مقام تھا جہاں وہ رات کو بھی ٹھہرے۔ مشرقی تیمور میں ان کے دورے کا یہ مطلب لیا گیا کہ گویا ویٹیکن حکومت نے اس صوبے پر انڈونیشیا کی حاکمیت

بزبانِ خاموشی تسلیم کر لی۔

پوپ کے دورے کو غیر معمولی اظہار (کوریج) انڈونیشی ٹیلی ویژن (TVRI) اور ریڈیو (RRI) کے علاوہ مقامی ریڈیو اسٹیشنوں نے بھی دیا۔ کہ جکارتا والا خطبہ قومی نشریاتی رابطے پر اور دوسرے خطبے مقامی طور پر دکھائے اور سُنائے گئے، اور چھ دن تک اخباروں کی شہ سرخیاں پوپ کی سرگرمیوں سے بھری ہوتی تھیں۔

صدر سوہارتو سے پوپ کی تین ملاقاتیں ہوئیں۔ مسلمان، پروٹسٹنٹ، کیتھولک، ہندو اور بُدھ رہنماؤں نے بھی انہیں خوش آمدید کہا۔ ہر بولنے والے کو خیر مقدمی کلمات کہنے کے لیے پانچ پانچ منٹ دیئے گئے۔ مسلمانوں کی نمائندگی نیم سرکاری مجلسِ علماء نے کی، اور اُس کے ترجمان نے انڈونیشیا میں مذہبی یک جہتی پیدا کرنے کی ضرورت کا حوالہ دیا۔ اور شائستگی سے تجویز پیش کی کہ اس معاملے میں پوپ کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اپنے خیر مقدمی خطاب میں وزیر اُمورِ مذہبی منور شاذلی نے بھی اس کی طرف خفیف سا اشارہ کیا۔ وہ خود بھی اس انڈونیشی "مقدس جنگ" کا شکار ہیں۔ (ان کی بیٹی ایک عیسائی سے بیاہی ہوئی ہے۔) مسٹر شاذلی نے کہا کہ (انڈونیشیا میں) مذہبی مسائل چونکہ بہت نازک ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہر مذہبی گروہ یک جہتی برقرار رکھے اور برخود غلط ہونے سے باز رہے۔

بہرکیف پوپ صاحب نے جو پیغام ان کو بالواسطہ اور شائستگی کے ساتھ پہنچانے کا اہتمام کیا گیا تھا اُسے یا تو وصول نہیں کیا یا بالکل نظر انداز کر دیا۔ جواب میں انہوں نے پنکاسلا (پنج شلا؟) کو دُعا دی (یعنی انڈونیشیا کے کثیر المذہبی ضابطے کے تسلط کو جس نے ۸۶ء۹ فیصدی مُسلم اکثریت کو قربان کر کے ۶ء۹ فیصدی پروٹسٹنٹ اور کیتھولک اقلیتوں کو غیر جمہوری طور پر اختیارات دے رکھے ہیں)۔ نیز انڈونیشیا میں اعلیٰ سطح کی مذہبی یک جہتی اور رواداری کی تعریف فرمائی۔ اور کیتھولک لوگوں کو یہ تلقین کر گزرے کہ یسوع مسیح کی تعلیمات کے موافق کمزوروں اور غریبوں کے سماجی استحکام بڑھائیں۔

بہر حال، یہ کہنا تو مشکل ہے کہ پوپ کو اپنے میزبان ملک کی غالب اکثریت کی شدت سے محسوس ہونے والی تشویش کی خبر ہی نہ تھی۔ انہیں انڈونیشیا کے مسلم رہنماؤں کی طرف سے کم از کم دو پیغام تو وصول ہو ہی گئے۔ ایک تو ملک کی سب سے بڑی اسلامی تعلیمی و معاشرتی بہبود کی تنظیم کے صدر اے آر فخر الدین کا، اور دوسرا انڈونیشیا کے سب سے محترم اسلامی رہنما اور سابق وزیر اعظم ڈاکٹر محمد ناصر کا۔ ڈاکٹر ناصر کے خط پر امور مذہبی کے دو سابق وزیروں، کے ایچ مصیقر اور پروفیسر ڈاکٹر ایچ ایم راشدی اور ایک سابق وزیر مملکت کے ایچ رُسلی عبدالواحد کے بھی دستخط تھے۔

مسٹر فخر الدین کے نامہ "خیر مقدم و خدا حافظ جناب پوپ جان پال دوم" میں تنظیم میں انڈونیشیا میں پوپ کے آدمیوں کے طریقوں پر مایوسی اور یہ اُمید ظاہر کی کہ خود پوپ کو عیسائی بنانے کے یہ طور پسند نہ ہوں گے جن سے عوام کے احتیاجوں اور دکھوں کا استحصال ہوتا ہے۔

ادھر ڈاکٹر ناصر اور ان کے ہم دستخطیوں نے بھی "جناب تقدس مآب" کو خوش آمدید کہا اور توقع ظاہر کی کہ یہ "پاپائی دورۂ انڈونیشیا میں کیتھولک عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین بہتر تعلقات پر منتج ہوگا"۔ البتہ سر دست انہوں نے تشویش ظاہر کی کہ انڈونیشیا میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے تعلقات میں برہمی سے فروغ اور ترقی کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے جس کا باعث ہے "ڈائیکونیا" (خدمت) کی لعنت اور انڈونیشیا میں عیسائیوں کا مسلمانوں سے ناقابل برداشت رویہ۔ اس سلسلے میں انہوں نے "ڈائیکونیا" کی لعنت پر جون ۱۹۷۶ء کے "اعلان چیمبیسی" کا حوالہ بھی دیا۔ مسلم اور عیسائی رہنماؤں نے اس مشترکہ اعلان میں "عیسائی کلیساؤں اور مذہبی تنظیموں" پر زور دیا تھا کہ "دنیائے اسلام میں اپنی ناروا ڈائیکونیا سرگرمیاں روک دیں"۔

ڈاکٹر ناصر اور ان کے ہم دستخطیوں نے رومن کیتھولک کلیسا کے سربراہ کو یہ بھی یاد دلایا کہ خود ویٹیکن نے مسلمانوں سے گہری الفت جتائی تھی، کیونکہ "وہ

اعلیٰ اخلاقی زندگی کے شائق ہوتے ہیں۔ اور اللہ کی عبادت، خصوصاً نماز، زکوٰۃ اور روزے کے ذریعے بجالاتے ہیں۔" اور یہ کہ ویٹیکن کی "مقدس مجلس" (SACRED SYNOD) نے بھی زور دیا تھا کہ ماضی کو بھول کر عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین مفاہمت کی مخلصانہ کوشش کی جائے۔" (ویٹیکن کا اعلان II) مسلمان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ "بہر کیف، اس ہدایت اور حبیبی کی قرارداد دونوں کا عیسائیوں کی انڈونیشیا میں مرتدسانہ سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔" اور ان سرگرمیوں سے "دونوں مذہبی فرقوں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی بڑھتی جارہی ہے۔" اور اس خیال سے کہ شاید جناب پوپ ذاتی طور پر اس میزبان ملک میں اپنے آدمیوں کے خفیہ اور غیر مسیحانہ ہتھکنڈوں سے باخبر نہ ہوں، اس خط کے ساتھ پانچ ہزار الفاظ پر مشتمل ایک رپورٹ بھی منسلک کر دی گئی، جس میں "مسیحیت" میں بھرتی کرنے کے طریقے بطور نمونہ درج تھے۔

انڈونیشی مجمع الجزائر میں اسلام ساتویں صدی میں مسلم تاجروں کی سادہ اور مثالی زندگی سے متعارف ہوا اور بغیر فوجوں یا سیاسی چھتری کی پشت پناہی کے، اپنے ہی زور سے پھیلتا چلا گیا۔ مگر سیاسی بالادستی نہ ہونے کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ جب ہزاروں جزیروں پر پھیلے ہوئے لاکھوں لوگ مسلمانوں کے واسطے سے اسلام قبول کر رہے تھے تو انہیں اسلامی طرزِ حیات سکھانے اور ایک اسلامی معاشرہ بنانے کے باقاعدہ انتظامات بھی برائے نام ہی ہوئے اور جب تک سماجی اور سیاسی تنظیمیں بنیں اور کھڑی ہوں، یہ مجمع الجزائر یورپی استعمار کی آماجگاہ بن گیا۔ ہسپانیہ نے ۱۵۱۲ء میں ملوکا اور سولو رجزائر" دریافت کیے۔ ان کے پیچھے پیچھے پرتگالی آدھمکے۔ جب فرانسسکس زیویرس اس اُمید کے ساتھ تہ ناتے میں اترا کہ ان "غیر مہذب" جزائر کو اپنی رعایا اور عیسائی بنائے۔ ولندیزیوں نے ۱۶۰۲ء میں اپنی

بالادستی قائم کر لی، اور ۱۷۹۹ء تک "جزائر شرق الہند" پر ان کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ جب (برطانوی) ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس خطے پر اپنی بالادستی سے دست بردار ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔

نوآبادیاتی استعمار کے خلاف مسلم مدافعت دو صدیوں پر پھیلی رہی۔ مگر جب تک مسلمان بالآخر زیر ہوئے، نوّے فیصد کے لگ بھگ انڈونیشیا مسلمان ہو چکا تھا۔ استعماری قبضے کا ایک نازک مگر فطری نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم معاشرہ مدافعت ہی پر مجبور رہا۔ اور اس کی اسلامی نشوونما بڑی حد تک رک گئی۔ ۱۹۴۸ء میں سیاسی آزادی کا یہ مطلب نہ نکلا کہ انڈونیشیا کی ابتدائی اسلامی نشوونما بھی دوبارہ جاری ہو گئی۔ صدیوں کی نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ اور بڑی مہارت سے تیار کردہ سماجی اور سیاسی کاریگری نے یہ یقینی بنا دیا ہے کہ اپنی مسلم آبادی کی بھاری اکثریت کی "جمہوریت" کے باوجود انڈونیشیا اپنا اسلامی سفر دوبارہ جاری نہیں کر سکتا۔

اقتدار کی منتقلی جب ناگزیر ہو گئی تو نوآبادیاتی آقاؤں نے یہ اطمینان کر لیا کہ انڈونیشیا کی نمائندہ مسلم قیادت کے بجائے مشکوک اسلامی اوصاف والے حوصلہ مند جاوا والوں کے ہاتھ میں اختیارات جائیں۔ سیاسی نظام کی اسلامی بنیادیں روکنے کے لیے ایک بے معنی سا کثیر المذہبی نظریاتی ضابطہ پنکاسلا (پنج شیلا)[1] کے نام سے وضع

---

[1] یہ بظاہر ایسے اصول ہیں کہ جن کا مقصد مذہبی تصادموں کو روکنا ہے۔ مگر درحقیقت یہ دستوری طور پر ایک سیکولر نظام کا فارمولا ہیں، جن کے ہوتے ہوئے مسلمان اکثریت بھی یہ آواز نہیں اٹھا سکتی کہ یہاں کوئی اسلامی اصول و قوانین ہونے چاہییں یا مسلم اکثریت کے ملک پر غیر مسلموں کی برتری نہیں ہونی چاہیے۔ حکومت ایسی ہر آواز اور تحریک اور تنظیم کی مخالف ہے اور اسے جبراً کچل دیتی ہے جو "پنج شیلا" سے ہٹ کر ہو۔ یعنی یہ "پنج بنائے لادینیت" ہیں جن کا انڈونیشیا میں دور دورہ ہے اور مسلمان بے بس و بے کس ہو کر رہ گئے ہیں۔ اسلام تو پھر آگے کی بات ہے (مدیر)

کر لیا گیا۔ تقریباً ۲۰ سال تک سوکارنو کو موقع دیا گیا کہ خوب کھل کر دادا گیری کرے اور اس نئے نئے امیر بننے والے ملک کا سارا معاشی ڈھانچہ تباہ کر دے۔ مسلمانوں کو ولندیزی حاکموں کی جسمانی رخصتی سے آزادی تو مل گئی، البتہ دباؤ اس سے بھی زیادہ برداشت کرنا پڑا جس سے انہیں نو آبادیاتی حکمرانی کے دور میں سابقہ پیش آیا تھا۔

اِس منظر میں جب سوکارنو تباہی مچا چکا اور اپنا کام پورا کر چکا تو نیا ڈرامہ کھیلا جانے لگا۔

سوکارنو حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے انڈونیشی کمیونسٹ پارٹی (P.K.I) سے کام لیا گیا۔ اور تقریباً اُسی وقت مبینہ طور پر کچھ ہلڑ باز (جو فی الحقیقت آج تک گمنام کارگزار ہیں) آگے آ گئے۔ اور انڈونیشیا کے پانچ چوٹی کے مسلمان جرنیلوں کو قتل کر دیا کہ معمول کی رُو سے سوکارنو کا تختہ اُلٹنے پر وہی اقتدار سنبھال لیتے۔ نام نہاد کمیونسٹ پارٹی کی اقتدار پر قبضے کی کوشش ناکام ہوئی جیسا کہ مقصود ہی تھا کہ ناکام ہو۔ پھر کمیونسٹوں اور کمیونسٹ کہلانے والوں کا بے تحاشا، پُراسرار اور بڑے پیمانے پر قتلِ عام ہوا جس سے انڈونیشی معاشرے کو گہرا گھاؤ لگ گیا۔ تب یہ "محسن" اور "نجات دہندہ" مگر غیر معروف سے بریگیڈیئر جنرل سہارتو صاحب اُبھر کر آئے۔ بس جبھی سے جنرل اور بعد کو صدر سہارتو صاحب انڈونیشا کے سیاسی منظر پر تقریباً ربع صدی سے بے دغدغہ حاوی چلے آ رہے ہیں۔ اور ان کا مشن کیا ہے؟ انڈونیشیا پر ایک "نیا نظام" مسلط کرنا۔

اس "نئے نظام" میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے تھوڑی ہی گنجائش ہے۔ چاہے مسلمان یہی کہہ کہہ کر اپنا دل خوش کرتے رہیں کہ ان کا ملک دُنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک ہے، مگر فی الحقیقت انڈونیشیا جدید نو آبادیاتی استعمار کا کامیاب ترین نمونہ بن گیا ہے۔ ایسا نمونہ جس کی تقلید مسلم دُنیا میں جا بجا کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، خصوصاً نائجیریا اور سوڈان میں۔ بنگلہ دیش فی الحال ابتدائی "سوکارنوی" مرحلے میں ہے۔ اور اس "نئے نظام" کے بیچ ـــ چند ملکوں کے نام بطور مثال لیے جائیں تو۔

ملیشیا، مصر اور پاکستان میں بھی بوئے جا چکے ہیں۔

سوشلزم کے نام پر انڈونیشی معیشت کی سو کارنو کے ہاتھوں تباہی نے مغربی طرز کی "بحالی" کے لیے بہت بڑا بہانہ مہیا کر دیا۔ تباہی کی ضد فروغ ٹھہرا، اور فروغ، معاشی پالیسی سے لے کر سیاست اور دین تک ہر چیز متعین کرنے کا اعلیٰ ترین معیار بنا، بلکہ انڈونیشیا کا دین اعلیٰ ہی فروغ قرار پایا۔ اور "فروغ دہندگان" لازماً سابقہ نوآباد کار اور مشنریوں والے ممالک سے آئے۔ سیکڑوں ہزاروں کمیونسٹوں اور کمیونسٹ کہلانے والوں کے اندھا دھند اور قطعاً بلا جواز قتلِ عام نے ملک کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اور لوگوں کے اس خونی سانحہ سے سنبھلنے اور اس کے اصل مقاصد پر غور کرنے سے کہیں پہلے "زخم دوز" حضرات منظر پر جا پہنچے۔

سہارتو کا دور مشنریوں اور کثیر الاقوامیت کے قائلوں کے لیے گویا عید کا زمانہ بن گیا ہے۔ اور اگر انڈونیشیا والے ان میں سے ایک کے چنگل سے کسی نہ کسی طرح نکل بھی آئیں تب بھی یہ مشکل ہے کہ وہ دوسرے کے پھندے سے خود کو آزاد کرا لینے کے قابل ہو سکیں گے۔ لگتی تو یہ اعداد و شمار کی بازی گری ہی ہے ___ اگرچہ یہ بجائے خود بھی بہ سنگین بات تھی ___ مگر مردم شماری کے اعداد مسلمان آبادی میں کمی اور خود کو پروٹسٹنٹ اور کیتھولک لکھوانے والوں کی تعداد میں اضافہ ظاہر کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں ۹۵ فیصدی سے ۱۹۷۱ء میں یکایک ۷½ فیصدی گھٹ کر ۸۷½ فیصد رہ جانے کی زقند کے سوا یہ تبدیلیاں اتنی زیادہ نمایاں نہیں ہو رہی ہیں کہ عام لوگوں کو چونکا دیں۔ "تاہم ایک مخصوص رجحان کی مقبولیت ثابت کر دینا ہی ان کی اصل معنی خیزی ہے۔ اگر ۱۹۶۵ء کا سا ایک ہنگامہ اور برپا ہو جائے تو مسلم آبادی کے اعداد میں زبردست کمی اور ساتھ ہی پروٹسٹنٹ اور کیتھولک آبادی میں اختیارات میں اتنا ہی اضافہ ظاہر ہونے لگے گا۔ اور جب تک انڈونیشیا میں غیر مسلم آبادی اکثریت کے لگ بھگ نشان تک نہ جا پہنچے، اس میں عددی جمہوریت آنے کی امید نہیں ہے۔

بے شک ایک سرکاری ضابطہ کارروائی بھی ہے تاکہ اس سے تمام مشنری

اور تبدیلیٔ مذہب کی سرگرمیوں کی نگرانی کی جائے۔ ۱۹۶۹ء میں داخلی اور مذہبی اُمور کی وزارتوں نے مل کر طے کیا کہ بڑھتی ہوئی تبدیلیٔ مذہب سے موجودہ پیروانِ مذہب کے درمیان مناقشت برپا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ہر طرح کی تحریص، جبر یا دھونس ممنوع قرار پائے اور ہدایت کی گئی کہ مذہب کی اشاعت سے نہ کوئی قانون شکنی ہو، نہ عوام کے امن و امان میں خلل پڑے۔ یہ بھی قانوناً طے کیا گیا کہ کسی نئی عبادت گاہ کی تعمیر کی اجازت محکمہ اُمورِ مذہبی کے مقامی نمائندے کی سفارش پر اور منصوبہ کے قواعد کے مطابق۔ البتہ مقامی صورتِ حال پر اس کے مضمرات کو مدنظر رکھتے ہوئے دی جائے گی۔

دس سال بعد ان رہنما خطوط کو مزید واضح اور قوی بنایا گیا۔ ۱۹۷۹ء میں دونوں متعلقہ وزارتوں نے مزید واضح کیا کہ مذہبی رشدت میں پیسہ، دوائیں، کپڑے اور دیگر سامان دینا یا رسالے، کتابیں اور کتابچے تقسیم کرنا بھی شامل سمجھا جاتے گا اور اہم یہ کہ مذہبی گروہوں کو ایسے شخص کا مذہب تبدیل کروانے کی کوشش بھی ممنوع قرار دی گئی جو پہلے ہی اپنے مذہب کا پیرو ہو۔

مگر ان قواعد کی پابندی کم اور خلاف ورزی زیادہ ہوتی ہے مسلمان آبادیوں کے بیچوں بیچ بڑے بڑے گرجے بن رہے ہیں۔ پورے علاقے میں سے ان گرجوں میں حاضری دینے والے چاہے تھوڑے ہی ہوں مگر اس عمارت سے کلیسا کی طاقت کا مظاہرہ ضرور ہوتا ہے۔

کلیسا کی طاقت کو انڈونیشیا میں ٹوکا نہیں جا سکتا۔ اور گزشتہ سالوں میں یہ اور بھی نمایاں ہوگئی ہے۔ صدر سوہارتو کی حکومت میں آٹھ کلیدی وزارتوں پر پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کلیساؤں کے بارسوخ ارکان فائز ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ جنرل (ریٹائرڈ) ال بی مردانی (کیتھولک) وزیر قومی دفاع

۲۔ ایڈمرل (ریٹائرڈ) سودومو (پروٹسٹنٹ) وزیر رابطہ برائے سیکیورٹی و سیاسی اُمور۔

(باقی بر صفحہ ۴۵)